© rasailojaraid.com

محسنِ انسانیتؐ

اور اُجالا پھیلتا ہی چلا گیا!

(از جناب نعیم صدیقی صاحب)

(بسلسلہ گذشتہ)

(۴) معاہدۂ حدیبیہ | حضورؐ کی اسلامی تحریک کی تاریخ میں معاہدۂ حدیبیہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کے نتیجے میں حالات کے دھارے نے ایک اہم ترین موڑ مڑا اور تحریک ایک ہی جست لگا کر اپنی توسیع کے عوامی دور میں داخل ہوگئی۔ محسنِ انسانیتؐ کی سیاسی بصیرت کی انتہائی معراجِ کمال اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ درجۂ اوّل کی معاند اور برسرِ جنگ طاقت کو حضورؐ نے کس آسانی سے مصالحت پر تیار کر لیا اور اس کے ہاتھ کئی برس کے لیے باندھ دیئے۔

(بقیہ تفہیم القرآن)

اس گفتگو کا ماحصل تو صرف یہ تھا کہ لڑکی کے باپ نے کہا میں اپنی لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کر دینے کے لیے تیار ہوں، بشرطیکہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ آٹھ دس سال میرے ہاں رہ کر میرے گھر کے کام کاج میں میرا ہاتھ بٹاؤ گے۔ کیونکہ اس رشتے سے میری اصل غرض یہی ہے کہ میں بوڑھا آدمی ہوں، کوئی بیٹا میرے ہاں نہیں ہے جو میری جائداد کا انتظام سنبھالے۔ لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں جنہیں مجبوراً باہر نکالتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ داماد میرا دست وبازو بن کر رہے، یہ ذمہ داری اگر تم سنبھالنے کے لیے تیار ہو اور شادی کے بعد ہی بیوی کو لیکر چلے جانے کا ارادہ نہ رکھتے ہو، تو میں اپنی ایک لڑکی کا نکاح تم سے کردونگا۔ حضرت موسیٰ اس وقت خود ایک ٹھکانے کے طالب تھے۔ انہوں نے اس تجویز کو قبول کر لیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک معاہدے کی صورت تھی جو نکاح سے پہلے فریقین میں طے ہوئی تھی۔ اس کے بعد اصل عقدِ نکاح قاعدے کے مطابق ہوا ہوگا اور اس میں مہر بھی باندھا گیا ہوگا۔ اس عقد میں خدمت کی شرط شامل ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غداری و بغاوت کے جرم میں جلاوطن شدہ یہود نے جب خیبر، تیما اور وادی القریٰ میں جا ڈیرا جمایا تو مدینہ بیک وقت دو محاذوں کے درمیان گھر گیا۔ قریش اور یہود کے اتحاد نے لشکر کے لشکر جمع کر کے مدینہ کے سامنے لا کھڑے کیے تھے۔ جنگِ احزاب سے بخیریت عہدہ برآ ہوتے ہوئے حضورؐ کے سامنے یہ پیچیدہ مسئلہ آ گیا کہ کیسے اس دوہرے محاذ کو توڑا جائے۔ موجودہ حالت میں مکہ کی طرف اقدام کریں تو خیبر کے یہودی اور بنو غطفان مدینہ پر چڑھائی کر سکتے تھے اور اگر خیبر کی طرف متوجہ ہوں تو قریش دھاوا بول سکتے تھے۔ یہ بھی نبی اکرمؐ کی نگاہِ دُور رس کا کتنا صحیح اندازہ تھا کہ ان دونوں میں سے خیبر کا محاذ ایسا محاذ تھا جسے ایک ہلہ میں توڑا جا سکتا تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ دونوں میں سے قریشِ مکہ ہی کو بآسانی صلح پر آمادہ کیا جا سکتا تھا۔ درحقیقت قریش کی قوت اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھی اور اگرچہ وہ ظاہراً برابر شورا شوری دکھا رہے تھے، لیکن اب تابِ مقاومت کچھ زیادہ تھی نہیں۔ پھر مکہ اور اس کے آس پاس حضورؐ کے حامی عناصر موجود تھے جن کو آپؐ کے بعض اقدامات نے مضبوط تر کر دیا۔ حضورؐ نے قحط کے دنوں میں مکہ کو غلہ اور نقدی سے مدد دے کر وہاں کے غربا اور عوام کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ چنانچہ ابو سفیان نے کہا بھی تھا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لوگوں کو ان طریقوں سے ورغلانا چاہتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے ایک اقدام یہ بھی فرمایا کہ مکہ کے سردارِ اعلیٰ ابو سفیان کی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ازدواجی رشتہ جوڑا۔ یہ شادی بڑا اہم سیاسی نتیجہ رکھتی تھی۔ بہر حال اب کسی طریقے سے ایک نئے اقدام کی ضرورت تھی جس پر حضورؐ برابر کاوش کرتے رہے۔

ادھر ایک بڑا مسئلہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کو مکہ سے بچھڑے ہوئے چھ برس ہونے کو آئے تھے۔ معاملہ محض حبِ وطن ہی کا نہ تھا بلکہ کعبہ دعوتِ ابراہیمی کا مرکز تھا اور اسی دعوتِ ابراہیمی کی تجدید اب مسلم جماعت نے کی تھی۔ اس جماعت کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو اپنے اعتقادی مرکز سے منقطع رکھ سکے۔ قریش اب تک راستہ نہیں دے رہے تھے اور بظاہر کشمکش کا آخری فیصلہ ہونے کے لیے لمبی مدت درکار تھی۔ اس پہلو سے جذبات آہستہ آہستہ مضطرب ہو رہے تھے۔ ضرورت تھی کہ جماعتِ اسلامی کی طرف سے حرم پر اپنے حق کا اظہار ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی اثنا میں حضورؐ کو ایک رویائے صادقہ میں حج کرنے کا اشارہ ہوا۔ بس وہ اشارہ پاتے ہی آپؐ کی بے مثل بصیرت نے بہترین لائحہ عمل بہترین وقت میں اختیار کیا اور اسے بہترین شکل میں جامۂ عمل پہنایا۔ آپؐ نے ایک بڑی جماعت کو ساتھ لے کر حج کے حرام مہینوں میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ۱۴ سو افراد جو اپنی خوشی سے تیار ہوئے صرف ان کو ساتھ لیا۔ نُمیلہ ابن عبداللہ لیثیؓ کو مدینہ میں نیابت سونپ کر مسلمانوں کی کافی تعداد بغرضِ حفاظت وہیں رہنے دی۔ قربانی کے ستر اونٹ ساتھ لیے۔ جنگی ہتھیار نہیں لگائے گئے۔ روانگی بڑی خاموشی سے ہوئی۔ مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر قربانیوں کو نشان زد کیا گیا۔

یہ سفر ایک طرف مذہبی بھی تھا اور دوسری طرف اس میں بڑا زبردست سیاسی پہلو بھی از خود شامل تھا۔ دین و سیاست کا یہ ایکا تو ہمیں حضورؐ کے سارے کارنامۂ حیات میں ملتا ہے پھر حج کے سفر میں دنیوی کاروبار یا سیاسی اقدامات کا شامل کرنا شرعاً بالکل روا ہے۔ سو یہ سفر قریش کے لیے ایک بھاری چیلنج بن گیا۔ اگر وہ ان زائرینِ حرم کی مزاحمت نہ کریں تو گویا مکہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے لیے کھل گیا، پھر حضورؐ اور ان کے رفقاء کے حرم میں آنے سے بہت ہی گہرے اثرات شہر والوں پر پڑ سکتے تھے کیونکہ اسلامی انقلاب کے ان داعیوں کی آمد سے پچھلی تاریخِ دعوت کے ان سارے نقوش میں جان پڑ جاتی جو ذرے ذرے پر ثبت تھے۔ عوام میں یہ چرچا بھی پھیل جاتا کہ بس اب قریش ٹائیں ٹائیں فِش ہو گئے۔ چنانچہ سہیل بن عمرو نے گفتگوئے مصالحت میں مکہ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے کہہ بھی دیا تھا کہ اگر ہم آپ لوگوں کو حرم میں داخل ہونے دیں تو سارا عرب یہ کہے گا کہ ہم نے آپ کی قوت سے ڈر کر راستہ کھول دیا۔

حضورؐ کو راستے ہی میں صورتِ حالات کا علم ہو گیا تھا۔ ایک خزاعی خبر رساں بشیر بن سفیان نے مقام عسفان پر آکر اطلاع دی کہ قریش مزاحمت کی تیاری میں ہیں اور ان کا فیصلہ یہ ہے کہ "محمدؐ مکہ میں کبھی نہیں داخل ہو سکتے" آپؐ کو روکنے کے لیے خالد سواروں کا دستہ لے کر مقام کُراعُ الغمیم تک آ چکا ہے۔ حضورؐ نے اس پر فرمایا: "یہ قریش کی بدبختی ہے! جنگوں نے ان کا کچھ مزا نکال دیا ہے۔ ان کا کیا حرج ہے کہ وہ بیچ میں سے ہٹ جائیں اور مجھے اور باقی سارے عرب کو نمٹ لینے دیں۔ اگر اہلِ عرب مجھے ختم کر دیں تو ان کی مراد پوری ہو گئی۔ اگر مجھے غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ چاہیں تو اپنی تعداد کثیر کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جائیں، ورنہ وہ قوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھتے ہیں اور اس وقت لڑیں۔ ایسا نہ ہو تو پھر خدا کی قسم میں اس حق کو لے کر جس کے ساتھ مجھے خدا نے اٹھایا ہے آخر دم تک لڑوں گا۔ یہاں تک کہ یا تو خدا اس حق کو غالب کر دے یا میری یہ گردن کٹ جائے"۔ گویا آپؐ نے مصالحت کی راہ کی طرف اشارہ بھی کر دیا، الٹی میٹم بھی دے دیا اور قریش کی پتلی حالت پر بھی توجہ دلا دی۔

لیکن دوسری طرف زائرین کے قافلے کو روکنے میں بھی قریش کی پوزیشن سخت خراب ہوتی تھی۔ رائے عام میں رو بہ چلتی کہ ان لوگوں نے ایک مذہبی حق میں رکاوٹ ڈالی۔ لڑنے میں پہل کرتے ہیں تو یہ الزام سر آتا ہے کہ حرام مہینوں کی حرمت توڑ دی۔ حضورؐ کی طرف سے پہلے ہی سے حرم کی حرمت کا احترام کرنے اور فقط عمرہ کے لیے غیر جنگی سفر کرنے کا خوب اچھی طرح چرچا ہو چکا تھا۔ پھر جنگی اسلحہ ساتھ نہ تھے اور قربانی کے نشان زد جانوروں کا گلہ نوعیتِ سفر کی شہادت دے رہا تھا۔ گویا قریش سخت پیچیدگی میں گھر گئے تھے اور اس نازک وقت میں ان کا قائدِ اعلیٰ ابوسفیان سفر میں تھا۔ یہ حضورؐ ہی کی نگاہ جانتی تھی کہ ساری اکڑفوں کے باوجود اس وقت قریش کے لیے مصالحت کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے — اور یہی اندازوں کی صحت ہی حالات کا رُخ بدلتی ہے اور اسی سے کسی کارپرداز کی بصیرت کا معیار سامنے آتا ہے۔

قریش نے پرانی صنم صدا کے نشے میں جلد جلد حلیف قبائل خصوصاً احابش کی فوجیں بلدح کے مقام پر جمع کر لیں۔

فوراً ہی سفارتی سرگرمیوں کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے قبیلۂ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء جو اسلام کے لیے حامیانہ جذبات رکھتے تھے، چند اہم ساتھیوں سمیت حضورؐ سے آکر ملے۔ حضورؐ نے بتایا کہ ہم صرف زیارتِ حرم کے لیے آئے ہیں اور اس کی تعظیم ہمارے مدِ نظر ہے، جنگ مقصود نہیں۔ قریش جنگ کے بڑے شائق ہیں حالانکہ اس میں سراسر ان کا گھاٹا ہے۔ کیوں نہ ایسا ہو کہ قریش چند سال کے لیے مصالحت کر لیں۔ اس طرح آپؐ نے اصل مدعا کا بیج شروع ہی میں ڈال دیا۔ انہوں نے قریش سے جا کر بات چیت کی کہ دیکھو، جلد بازی نہ کرو، محمدؐ جنگ کے لیے نہیں، زیارت کے لیے آئے ہیں، مگر سر پھرے نوجوان تو پر وں پر پانی نہیں پڑنے دیتے تھے۔ البتہ معتمر لوگوں نے ساری بات سنی۔ پھر مکہ سے حلیس بن علقمہ سردارِ احابیش کو بھیجا گیا۔ اس نے جب قربانی کے جانوروں کا گلہ وادی میں متحرک دیکھا تو متاثر ہوا۔ اس نے قریش کے سامنے جا کر صاف صاف کہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اِن زائرینِ حرم کو روکنا صحیح نہیں اور ہم اس غرض کے لیے نہیں آئے ! اس سردار کی استمالت یہ کہہ کر کی گئی کہ ذرا ہمیں اپنی شرطیں تو منوا لینے دو۔ پھر قریش نے عُروہ بن مسعود ثقفی کو نمائندہ بنا کر بھیجا۔ عروہ نے کہا کہ "اے محمدؐ ! اگر آپ نے اپنی ہی قوم کو تباہ کر دیا تو یہ کوئی اچھا کارنامہ ہو گا۔ یہ جو اوباش سے لوگ آپؐ نے اکٹھے کر لیے ہیں یہ چند روز میں چھنٹ چھنٹا جائیں تو آپؐ تنہا رہ جائیں گے" یہ بات سُن کر حضرت صدیقؓ غضبناک ہو گئے اور ذرا سخت لفظوں میں عروہ کو ڈانٹا۔ عروہ عربوں کے بے تکلفانہ طریق پر بات کرتے ہوئے اپنا ہاتھ حضورؐ کی ڈاڑھی کی طرف بڑھاتا تو ہر بار حضرت مغیرہ بن شعبہ تلوار کی نوک سے اس کا ہاتھ ہٹا دیتے۔ حضورؐ نے عروہ کے سامنے بھی اپنا موقف رکھ دیا۔ اس شخص نے جو سماں دیکھا اس سے دل میں بے حد متاثر ہو کر واپس ہُوا اور جا کے بیان کیا کہ محبت و اطاعت کا جو منظر وہاں میری نگاہوں سے گزرا ہے وہ تو بڑے سے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں بھی نہیں پایا جاتا۔ محمدؐ کے ساتھی تو اس پر دل و جان چھڑکتے ہیں۔ اور ایک ایک اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہیں۔ اس کے سامنے کوئی شخص اونچی آواز میں بولنے تک کی جرأت نہیں کرتا۔ عُروہ کے اس تاثر سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ اسلامی تحریک کی قوت کا ایک راز یہ ہے کہ جماعت اپنی قیادت سے کس درجہ گہری محبت رکھتی ہے اور کس والہانہ طریق سے اطاعت کرتی ہے۔ محبت و طاعت کے جمع ہو جانے سے ناقابلِ فتح قوت پیدا ہوتی ہے اور جماعت میں ایسی فضا موجود ہو تو مخالفین کو مرعوب اور کمزور کر دیتی ہے۔ یہاں محض کسی جمہوری ایسوسی ایشن کا سا معاملہ نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے ہیں، نہ صدر کو ارکان سے کوئی قلبی تعلق، نہ ارکان کو صدر سے کوئی روحانی علاقہ ــ بس دستور اور قاعدے کی ظاہری اطاعت کر دی گئی۔ کیا گندی فضا ہوتی ہے ان جماعتوں کی جو اپنی قیادت پر زہریلی تنقیدیں کرتی ہیں، غیبت اور نجویٰ کے محاذ کھولے رہتی ہیں اور طرح طرح کی سازشیں گانٹھتی رہتی ہیں۔ اسلامی نظامِ جماعت کی فضا خیر خواہی، وفاداری، اخلاص، محبت اور والہانہ طاعت سے بنتی ہے۔ اس میں ہر رکن کی شخصیت کی اہمیت ہوتی ہے اور قائد کی شخصیت تو سب کے لیے مرکزِ محبت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نہ رحماء بینھم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نہ علیحدہ علیحدہ اینٹیں بنیانِ مرصوص بن سکتی ہیں۔ مسلم جماعت کی یہی فضا اپنی شانِ کمال کے ساتھ حدیبیہ کے میدان میں جلوہ گر تھی جس نے عروہ کے دل کو مرعوب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیا اور اس نے جا کر اسی تاثر کا پرتو مکہ کے خواص پر ڈالا۔

گفت و شنید کے اسی سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لیے حضوؐر نے خراش بن امیہ کو قریش کی طرف بھیجا۔ مکہ میں لامرکزیت اور انتشار تو تھا ہی، کچھ لوگوں نے حضوؐر کے اس اونٹ کو مار ڈالا جس پر سوار ہو کر خراش شہر میں گئے تھے، خود ان کی جان بھی مشکل سے بچی اور وہ لوٹ آئے۔ پھر حضرت عثمان کو بھیجا گیا۔ ادھر سرپھرے عناصر کا ایک دستہ دیکھ بھال کے لیے نکلا تھا، ان لوگوں نے مسلمانوں سے چھیڑ خانی کی اور تیر اور پتھر پھینکے۔ ان لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا مگر حضوؐر نے مصلحت کے پیشِ نظر ان کو رہا کر دیا۔ یعنی قریش کا جنگ پسند عنصر برابر اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح سے جنگی جذبات کی بارود بھڑک اٹھے۔ مگر خدا نے یہ لطفِ خاص کف ایدیھم عنکم وکفَّ ایدیکم عنھم کی فضا کو غالب کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کو قریش نے روک لیا اور واپسی میں دیر ہو گئی۔ ناخوشگوار واقعات کی وجہ سے فضا ایسی تھی کہ جس میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ حضوؐر نے فوراً جماعت کو اکٹھا کیا اور لڑنے مرنے کی بیعت لی۔ فرمایا کہ "ہم ان لوگوں سے لڑے بغیر نہ پلٹیں گے"۔ حضرت عثمانؓ کی جان اس لمحے بے حد قیمتی ہو گئی تھی کیونکہ بارشادِ حضوؐر امرِ واقعہ یہ تھا کہ "عثمانؓ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تفویض کردہ خدمت پر گئے ہیں"۔ اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور اس پر دوسرا ہاتھ اپنی طرف سے رکھ کر کہا کہ اقرار باندھو! آپؐ کے رفقا پہلے ہی جذبات سے بھرپور تھے، اخلاص سے لپک لپک کر بیعت کرنے لگے۔ یہ اتفاقی لمحہ ازدیادِ ایمان اور تعمیرِ کردار کا لمحہ تھا اور اس وقت جماعت نے اپنے آپ کو ایثار تقاد سے لیا کہ حضوؐر نے فرمایا: "آج کے دن تم لوگ تمام زمین والوں سے افضل ہو"۔ اس لمحے کے طفیل ان کو رضائے الٰہی حاصل ہوئی۔ صرف ایک منافق (جدؔ بن قیس) تھا جو اس لمحہ کی سعادتوں سے محروم رہا۔ حق کے علمبرداروں کی راہ میں ایسے بے شمار لمحات آتے ہیں اور اخلاص شعار روحیں ان لمحات سے آبیاری حاصل کرتی ہیں۔ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر چودہ سو مسلمانوں کو لڑ مرنے کی جزا مل گئی۔ قریش کو جب اس صورتِ حالات کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً حضرت عثمانؓ کو واپس روانہ کر دیا، کیونکہ فی الحقیقت لڑنے سے وہ بھی کترانا چاہتے تھے۔

پھر مکہ سے مکرز بن حفص آیا۔ رسول اللہؐ کی مردم شناسی ملاحظہ ہو کہ دور ہی سے نظر پڑی تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پکار اُٹھے "یہ ایک مکار آدمی ہے" مراد یہ تھی کہ اس کے ذریعے معاملات کبھی بخیر و خوبی طے نہیں ہو سکتے بالآخر قریش نے سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ نظامِ حق کے داعی کی نگاہ حقیقت رس نے دیکھتے ہی اندازہ کر لیا کہ "قریش نے اِس آدمی کو بھیجا ہے تو پھر وہ صلح پر تیار ہو گئے ہیں" شرائط پر ضروری بات چیت ہوئی اور معاہدہ لکھنے کے لیے حضرت علیؓ کاتب بنے۔

معاہدہ ایسے نازک حالات میں لکھا جا رہا تھا کہ بات بات پر کھچاؤ پیدا ہونے لگا۔ حضورؐ نے پیرایۂ آغاز کے طور پر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھنے کا حکم دیا۔ سہیل نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ الرحمٰن الرحیم کیا ہوتا ہے۔ ہمارے معمول کے مطابق "باسمك اللّٰهم" لکھا جائے۔ حضورؐ نے یہ مطالبہ بھی قبول کر لیا۔ پھر فرمایا: لکھو "ذیل کا معاہدہ محمدؐ رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا" سہیل نے کہا کہ اگر میں یہ مانتا کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو آپ کے خلاف لڑتا ہی کیوں؟ بس اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوائیے۔ حضرت علیؓ "محمدؐ رسول اللہ" کے الفاظ لکھ چکے تھے اور فرطِ ادب میں اپنے ہاتھ سے "رسول اللہ" کے الفاظ مٹانا ان کو گوارا نہ ہوا۔ حضورؐ نے تحریر سے کر خود یہ لفظ کاٹ دیئے۔ اور ان کی جگہ "محمدؐ بن عبداللہ" لکھا گیا سہیل کی ان زیادتیوں کو نبی پاکؐ کے رفقاء دیکھ دیکھ کر پیچ و تاب کھا رہے تھے مگر احترامِ رسالت کی وجہ سے دم بخود تھے۔ اب ذیل کی شرائط لکھی جانے لگیں۔

— فریقین دس سال کے لیے جنگ بندی اور صلح رکھیں گے۔

— مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال زیارت کعبہ کے لیے آئیں اور صرف نیام کردہ تلواروں کے ساتھ تین روز حرم میں گزاریں۔

— قبائلِ عرب کو آزادی ہو گی کہ وہ فریقینِ معاہدہ میں سے جس کے ساتھ چاہیں، حلیفانہ تعلق قائم کریں۔

— قریش کے تجارتی قافلے حدودِ مدینہ سے گزریں تو ان کو امان حاصل ہو گی۔

— قریش کا کوئی آدمی اگر بلا اجازت مدینہ چلا جائے تو وہ واپس کر دیا جائے گا اور اگر کوئی مسلمان مکہ میں آ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

اس آخری شرط نے جذباتی سخت ہلچل پیدا کر دی۔ پورا ذہنی ماحول سامنے لائیے تو اندازہ ہو سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ جماعت میں ایسے جذبات کا پیدا ہو جانا فطری تھا۔ اوّل تو سرے سے یہی صورتِ واقعہ کچھ کم نادر نہ تھی کہ وہ قریش جنہوں نے لوگوں کو گھروں سے نکالا، جنہوں نے اسلام کے علمبرداروں پر جنگ مسلط کر دی، جو آج بھی ان کو حرم سے روک رہے تھے اور قربانیوں کو لوٹا رہے تھے۔ ایسے ظالم اور برسرِ جنگ مشرکین کے ساتھ یکایک مصالحت کی راہ نکالنا جماعت کے لیے بڑا کاوش طلب واقعہ تھا۔ ان کے سامنے تو ایک ہی کلیہ تھا! بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابداً حتی تومنوا باللہ وحدہٗ۔ تھا وہ تو ایک ہی موٹے اصول کو جانتے تھے کہ وقاتلوھم حتیٰ لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ! ان کے سامنے سیدھا سادا فارمولا یہی تھا کہ کلمۃ اللہ کو برتر رہنا چاہیے اور کافروں کے کلمہ کا سر نیچا ہونا چاہیے۔ کفر و باطل کے درمیان سمجھوتہ کی گنجائش ان کے ذہنوں میں نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اصولوں کو اگر محض نظریاتی اور فلسفیانہ طور پر لیا جائے تو بات دوسری ہوتی ہے، لیکن جب ان کو واقعات کے عملی میدان میں لے کے معرکہ آرا ہوا جائے تو پھر وقت اور مصالح اور حریف اور حامی قوتوں کے حالات کو سامنے رکھ کر مختلف اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہوتا کہ آپ بس آنکھیں بند کر کے سیدھے ہی سیدھے ایک ہی رفتار سے بڑھتے جائیں۔ کہیں رکنا پڑتا ہے، کہیں دو قدم گھماؤ اختیار کرنا پڑتا ہے اور کہیں نیا راستہ نکالنے کے لیے دو قدم پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ مختلف دشمنوں کو شکست دینے ہی کے مقصد سے بسا اوقات ان میں سے کسی ایک سے عارضی مصالحت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ تاریخ کے یہ وسیع عملی حقائق حضورؐ کی نگاہوں کے سامنے تو تھے ہی، لیکن جماعت کی نگاہ آپؐ کی نگاہ جتنی رسائی نہ رکھتی تھی۔ پھر جب اس جماعت کے سامنے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اور "رسول اللہؐ" کے الفاظ قلم زد کیے گئے تو جذبات میں خاصا مدوجزر پیدا ہو گیا۔ اس سے بھی بڑھ کر جب وہ غیر مساویانہ اور غیر عادلانہ شرط سامنے آئی تو صبر و ضبط بحال رکھنا مشکل ہو گیا۔ حضورؐ اس معاہدے کے لیے جن بڑے بڑے مسائل کو حل کرنے کی راہ نکال رہے تھے ان پر جہاں قریش کی نظر نہ تھی، وہاں مسلم جماعت بھی پوری طرح ان کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ کبھی کبھار بڑی بڑی تحریکوں کے دورانِ کار میں ایسے نازک لمحات بھی آ جاتے ہیں جبکہ قائد اور جماعت کے درمیان مستقبل کے معاملات کی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے ذہنی فاصلہ بڑھ جاتا ہے۔ قیادت کی نگاہ زیادہ فاصلے تک دیکھتی ہے اور جماعت نسبتہً نزدیکی حقیقتوں تک سوچتی ہے۔ یہی مواقع بحران کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مواقع بن جاتے ہیں۔ اور انہی شاذ مواقع پر ضابطے کی حد سے بڑھی ہوئی جمہوریت خطرناک ہو جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر صرف وہی قیادت اپنا فرض ادا کر سکتی ہے جو رائے عام کا اعتماد و تعاون اس حد تک رکھتی ہو کہ اس کا کوئی بدل نہ پیدا کیا جا سکے۔ ایسی مخلص اور مستحکم قیادت جماعت کو اہم مصالح کی راہ پر مجرد اپنی اخلاقی قوت سے کھینچ کر لے جاتی ہے اور عقلی اطمینان جماعت کو بعد کے حالات و واقعات کو دیکھ لینے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔

غضب یہ ہوا کہ عین اسی حالت میں نمائندۂ قریش سہیل کے صاحبزادے ابو جندل بیڑیاں پہنے ہوئے موقع پر آ پہنچے۔ ان کو مارا پیٹا گیا تھا اور وہ مظلومی کا ایک مجسمہ تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سربر عالم اور مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا۔ سہیل بن عمرو نے کہا کہ مجوزہ شرط کے مطابق یہی پہلا شخص ہے جسے آپؐ کو واپس کرنا ہوگا۔ حضورؐ نے معاملہ سلجھانے کے لیے فرمایا کہ ابھی معاہدہ لکھا نہیں جا چکا، سو ابو جندلؓ کو مستثنیٰ رہنے دو۔ سہیل نے کہا تو پھر کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ پھر آپؐ نے نرمی سے یہ بھی فرمایا کہ اچھا اسے میری خاطر میرے ساتھ آنے دو۔ وہ نہیں مانا۔ مجبوراً حضورؐ نے اس ظالمانہ مطالبے کو بڑے مصالح کی خاطر قبول کر لیا۔ اب ابو جندلؓ نے جماعت کو مخاطب کر کے فریاد کی کہ مسلمانو! تم مجھے مشرکوں کے حوالے کر رہے ہو جو مجھے ایمان سے ہٹانے کے لیے مجھ پر تشدد کریں گے۔ یہ اپیل اپنے ماحول میں بڑی اشتعال انگیز تھی۔ مگر حضورؐ اس وقت ٹھنڈے مزاج کا ایک بے مثل نمونہ تھے۔ ابو جندل کو نرمی سے سمجھایا کہ ہم نے معاہدہ میں ایک بات تسلیم کر لی ہے تو اب ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے، تمہارے لیے اور دوسرے مظلوموں کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی راہِ نجات نکالے گا، ذرا صبر سے کام لو۔

جماعت کا اضطراب اس وقت آخری حد کو چھو رہا تھا اور قریش کے خلاف ساری جماعت کے جذبات مجتمع ہو کر جس شخص کے اندر کھول رہے تھے وہ حضرت عمرؓ تھے۔ ان کا کوئی ذاتی اور نفسانی معاملہ نہیں تھا، ان کے اندر حمیتِ حق ہی کام کر رہی تھی۔ پیچ و تاب کے عالم میں انہوں نے پہلے حضرت ابوبکرؓ سے اور پھر رسولِ اکرمؐ سے یوں مکالمت کی:

حضرت عمرؓ: اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپؐ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟

رسولِ خدا: "کیوں نہیں!"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمرؓ: "پھر کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟"

رسولِ خدا: "کیوں نہیں!"

حضرت عمرؓ: اور کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟"

رسولِ خداؐ: "کیوں نہیں؟"

حضرت عمرؓ: پھر ہم دین کے معاملے میں دب کر کیوں معاملہ کریں؟"

رسولِ خدا: "میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں اس کے کسی حکم کو توڑ نہیں رہا اور نہ وہ مجھے اپنی مدد سے محروم رکھے گا۔"

حضرت عمرؓ چپ تو ہو گئے، لیکن جذبات میں دیر تک ٹھہراؤ نہیں آسکا۔ معاہدہ لکھا گیا اور اس پر حضرت عمرؓ نے بطورِ گواہ دستخط ثبت کر کے اطاعت کی یہ زریں مثال بھی پیش کر دی کہ شرائط پر دل مطمئن نہیں مگر حضورؐ نے فیصلہ کر دیا تو پھر سرکشی بھی نہیں۔

معاہدہ ہو چکا تو حضورؐ نے جماعت کو نحر (اونٹ ذبح کرنے) اور حلق (سر مونڈانے) کا حکم دیا۔ مگر اضطراب اور غم و اندوہ کی وجہ سے جماعت میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ دوبارہ حکم دیا تو بھی کوئی نتیجہ نہیں۔ سہ بارہ فرمایا تو بھی وہی حالت طاری رہی۔ اندازہ کیجیے کہ خود حضورؐ کی تربیت یافتہ جماعت میں اس وقت کیسا ذہنی بحران طاری تھا —— اور سبق لیجیے کہ انسانی سرگرمیوں میں کیسے کیسے گوناگوں عالم پیش آتے ہیں۔ حضورؐ کو یہ رنگ دیکھ کر صدمہ ہوا، قیام گاہ پر آئے اور حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ میں نے حکم دیا اور تعمیل نہیں ہوئی۔ حضرت ام سلمہؓ نے تسلی دلائی کہ معاہدہ کی شرائط سے وہ اندوہگیں ہیں، آپؐ باہر نکل کر خود نحر و حلق کیجیے۔ سرورِ عالمؐ اٹھے اور باہر آکر قربانی کی، اور بال اتروائے۔ اس عملی اقدام نے جماعت کو جادۂ طاعت پر بحال کر دیا۔ لیکن پھر بھی عالم یہ تھا کہ جیسے لوگ ایک دوسرے ہی کو کچا چبا جائیں گے۔ تاہم یہ ردِّ عمل وقتی تھی اور گزر گئی۔

اندازہ کیجیے کہ جنگ سے ہٹ کر مصالحت کی فضا حاصل کرنے کے لیے حضورؐ نے کتنی کٹھن صورت حالات سے گزرنا گوارا کیا۔ بلکہ اپنی محبوب جماعت کے نہایت ہی گہرے اور پاکیزہ اور مخلصانہ جذبات

© rasailojaraid.com

تک کی قربانی اس مقصد کے لیے دی۔

آپؐ نے اس معاہدہ کے ذریعے عظیم مقاصد حاصل فرمائے۔ ایک یہ کہ مسلم جماعت اور مشرکین مکہ و عرب کے درمیان ہر طرح کے میل جول کے راستے کھل گئے۔ لوگوں کی آمد و رفت ہوئی، برسوں کے بچھڑے ہوئے عزیز و اقارب اکٹھے ہو کر بیٹھے، مکہ میں جو غلط فہمیاں حضورؐ اور مسلم جماعت کے بارے میں ہونگی وہ مشرکین کی طرف سے سامنے آنے لگیں اور مسلمان ان کو صاف کرتے، لوگوں کے سوالات کے جوابات دیتے، انہیں اپنی روحانی، ذہنی، علمی اور اخلاقی اور مادّی ترقیوں کا حال بتاتے، دعوتِ حق اور نظریۂ اسلامی گھر گھر میں زیرِ بحث آنے لگا۔ اور امن کے حالات میں اسلام اس تیزی سے پھیلا کہ صلح حدیبیہ کے بعد کے دو برس میں اتنی تعداد خوشی خوشی حق کے محاذ پر آ کھڑی ہوئی جتنی اس سے قبل کے اٹھارہ انیس برسوں میں مجموعی طور پر حاصل ہوئی تھی حتیٰ کہ خالدؓ اور عمرو بن العاصؓ جیسے کام کے نوجوان بھی اسی مصالحت کے بعد حلقہ اسلامی میں آ داخل ہوئے۔

دوسرا مقصود یہ حاصل ہوا کہ جنگ و جدال سے نجات پا کر جماعت کی ذہنی و اخلاقی اصلاح اور خود ریاست کے نظم و نسق کی تعمیر کا کام انجام دینے کے لیے یکسوئی حاصل ہو گئی۔ علاوہ ازیں غیر ملکی حکومتوں کو دعوت دینے کا موقع نکل آیا۔

تیسرا فائدہ یہ پہنچا کہ حکومتِ مدینہ خیبر کے معاندانہ محاذ کا قلع قمع کرنے کے لیے قریش کی طرف سے بالکل بے فکر ہو گئی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد فوراً ہی اسلامی حکومت اس قضیے سے فارغ ہو گئی۔

چوتھا مفاد یہ حاصل ہوا کہ عرب کے قبائل کو آزادی حاصل ہو گئی کہ ان میں سے جو بھی چاہے، حکومتِ مدینہ کا ساتھ دے۔ یہ ایسا دروازہ کھلا کہ جس میں سے گزر کر نئے نئے عناصر مسلم جماعت کو تعاون بہم پہنچا سکتے تھے اور قریش کوئی روک ٹوک نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ بنو خزاعہ نے تو عین موقع ہی پر اسلامی حکومت سے تعلق جوڑ لیا۔

اور چوتھا نتیجہ یہ بھی نکلنا ہی تھا کہ ایک ہی سال بعد بڑے ٹھاٹھ سے یہی جماعت زیارتِ حرم کے لیے مکہ میں داخل ہوئی اور اس وقت قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق "لا تخافون" کی فضا میسر تھی۔

سو کہنا چاہیے کہ قریش جیسے کڑے دشمنوں کو مصالحت پر لے آنا حضور اکرمؐ کی سیاست کاری کا ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمایاں معجزہ تھا اور ایک شرط میں بظاہر ذرا سا دب کر حضورؐ نے وہ فوائد اور نتائج حاصل کر لیے جن کا تصور بھی قریش اس وقت نہ کر سکے ہوں گے۔ انہیں کب یہ خیال آسکا ہو گا کہ اب ایک طرف ان کے حامی یہودیوں کا جنگی اڈا اکھڑ جانے والا ہے اور وہ اکیلے رہ جائیں گے اور دوسری طرف اسلام لوگوں کو اتنی بڑی تعداد میں کھینچ لے جائے گا بلکہ خود ان کے شہر میں اتنے اثرات پھیلا دے گا کہ ان کی طاقت موجودہ معیار سے بھی گر جائے گی۔ درحقیقت اس معاہدہ نے وہ راستہ بنا دیا جس پر چل کر اسلامی انقلاب کی طاقت چند برس کے اندر اندر اسی مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے والی تھی۔

واپسی پر راستے ہی میں سورۂ فتح کی آیات نازل ہوئیں۔ جس میں پچھلے واقعات پر تبصرہ تھا اور مستقبل کے مصالح کی جھلک دکھا کر مسلم جماعت کو اللہ تعالیٰ نے بشارتیں دیں۔ ان کو بتایا کہ تم عنقریب ایک ایسے معرکے (یعنی خیبر) میں فتح حاصل کرو گے جس میں تم کو بہت سا مالِ غنیمت ملے گا اور اس کے بعد وہ کچھ حاصل ہو گا جو اس وقت تمہاری طاقت سے باہر ہے اور جس کو اللہ ہی نے گرفت میں لے کر محفوظ کر رکھا ہے۔ پھر بتایا کہ اگرچہ مشرکینِ مکہ کو تم آج بھی شکست دے سکتے تھے اور وہ یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ لیکن ان کے درمیان ایسے مرد و زن گھرے ہوئے ہیں جو مخفی طور پر دینِ حق کو مان چکے ہیں اور جن کے دل تمہارے ساتھ ہیں۔ اب اگر جنگ ہو جاتی تو وہ مجبوراً تمہارے مقابلے پر آتے اور تم انہیں نہ جاننے کی وجہ سے نشانہ بناتے۔ پس اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی ہوئی کہ اس نے دونوں گروہوں کو ٹکراؤ سے روکا۔ خصوصاً وہ لمحہ یاد دلایا جبکہ کفر کی جانب سے حمیتِ جاہلیہ کا بڑا اکڑا مظاہرہ کیا گیا تھا اور "الرحمٰن الرحیم" اور "رسول اللہ" کے الفاظ تک کی کتابت گوارا نہ کی گئی۔ نیز ابو جندل کے معاملہ میں انتہائی ضد سے کام لیا گیا۔ ایک فریق جب اس طرح کا ٹیڑھا رویہ اختیار کر لیتا ہے تو پھر دوسری طرف بھی نرم اور ٹھنڈے جذبات برسرِ کار نہیں آسکتے۔ لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ رسولؐ اور تم مسلمانوں کے اوپر اس نے سکینت اتاری، تمہیں جذبوں پر قابو دیا اور تمہیں تقویٰ اور احتیاط کے اصول پر کاربند رکھا ــــ اور تم لوگ مشرکین کے مقابلے میں اسی شان کے مستحق اور اسی کے اہل تھے ورنہ اگر ادھر سے بھی اشتعال سے کام لیا جاتا تو تصادم ہو جاتا اور وہ سارے مصالح ختم ہو جاتے جو نہایت آسانی سے حاصل ہو رہے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورۂ فتح کا آغاز اس کلمے سے ہوتا ہے کہ "انا فتحنا لك فتحاً مبيناً" حضرت عمرؓ نے حیرت سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ فتح مبین ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: ہاں یہ فتح مبین ہے۔ گویا واقعات کی روشنی میں عقلی اطمینان خاصی دیر بعد پیدا ہوا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے حمیتِ حق کے مخلصانہ جذبے میں جو جذباتی مظاہرہ کیا تھا اس کی تلافی کے لیے وہ مدتوں نفلی عبادات انجام دے دے کر خدا سے عفو طلبی کرتے رہے۔ اخلاص کی شان یہی ہے۔ دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان یہ تھی کہ اس عمومی لمحۂ اضطراب میں ان کو پورا پورا اطمینان رہا اور انسانی جماعتوں کو مزاجوں کی یہی رنگارنگی ایک خاص ترکیب دیتی ہے۔ ان کا ایک سرا اگر صدیقی رجحان سے بنتا ہے تو دوسرا سرا فاروقی انداز سے!

اب سنیے کہ کیسے معاہدہ کی وہی دفعہ قریش کے لیے وبالِ جان بن گئی جسے تسلیم کرا کے وہ اپنا پلڑا جھکتا محسوس کر رہے تھے۔ اول تو اس کی وجہ سے مکہ میں خفیہ طور پر اسلام قبول کرنے والوں کا حلقہ اندر ہی اندر بڑھتا رہا اور ان کی وجہ سے قریش کی اجتماعیت ٹکڑے ٹکڑے ہوتی گئی۔ دوسری طرف ایک بہت ہی سنگین واقعہ پیش آیا۔ ابوبصیر عتبہ بن اسید کسی نہ کسی طرح مکہ سے نکلے اور مدینہ جا پہنچے۔ ان کو لینے کے لیے قریش نے دو آدمیوں کا وفد بھیجا۔ حضورؐ پابندیٔ عہد کے اٹل اصولوں سے مجبور تھے، سو ابوبصیر کو لوٹا دیا گیا۔ آپؐ نے ابوبصیر کو بھی وہی تاکید کی کہ تم لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی راستہ نکالے گا۔ چاروناچار ابوبصیر لوٹ گئے۔ راستے میں موقع پا کر انہوں نے دو میں سے ایک نگران کو اسی کی تلوار سے قتل کر دیا اور خود بھاگ کر پھر مدینہ آ گئے۔ دوسرا نگران پھر شکایت لے کے آ موجود ہوا۔ ابوبصیر نے حضورؐ کے سامنے وضاحت کر دی کہ آپؐ نے اپنا عہد نبھایا اور مجھے دشمنوں کے سپرد کر دیا، لیکن میں اپنے آپ کو مشرکوں کے سپرد کر کے ایمان کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ سو میں نے اپنی ذمہ داری پر یہ اقدام کیا ہے، آپؐ پر کوئی ذمہ داری ہے ہی نہیں۔ خدا نے مجھے بچا لیا۔ حضورؐ نے بڑے پرمعنی طریق سے فرمایا: "اسے کچھ آدمی مل جائیں تو یہ تو جنگ بھڑکا دیگا"۔ ابوبصیر کو اندیشہ ہوا کہ شاید مجھے پھر مکہ روانہ کر دیا جائے اس لیے وہ چپکے سے مدینہ سے نکل کر ساحلِ سمندر کی طرف مقامِ عیص (قریب بہ ذوالمرہ) جا پہنچے اور وہاں ڈیرہ ڈال دیا۔ بعد میں ابوجندل بھی وہیں آ گئے۔ پھر مکہ سے اور لوگ بھی نکلتے اور سیدھے ساحل کا رخ کرتے۔ ہوتے ہوتے ستر جوانوں کا دستہ یہاں جمع ہو گیا۔ مکہ والوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی اصولی کشمکش بھی تھی اور ذاتی مظلومی کا جذبۂ انتقام بھی تھا اور یہ حکومتِ مدینہ کے شہری بھی نہ تھے کہ ان پر معاہدہ کی ذمہ داری ہوتی۔ یہ گویا ایک "آزاد اسلامی محاذ" تھا۔ ان لوگوں نے قریش کے قافلوں کی مزاحمت شروع کی یہاں تک کہ قریش عاجز آگئے۔ سو انہوں نے خود ہی درخواست کر کے معاہدہ سے اپنی محبوب شرط نکلوائی۔ بعدازیں ان نوجوانوں کو حضورؐ نے مدینہ بلا لیا اور نومسلموں کے لیے مکہ سے ہجرت کرنے کا راستہ بالکل کھل گیا۔

ایک اہم مسئلہ اس وقت پیدا ہُوا جب ام کلثوم جو مکی سردار عقبہ ابن ابی معیط کی صاحبزادی تھیں، ہجرت کر کے مدینہ آ پہنچیں۔ ان کو واپس لے جانے کے لیے ان کے دو بھائی عمارہ اور ولید ساتھ ہی ساتھ آگئے۔ معاملہ حضورؐ کے سامنے آیا تو بحکم الٰہی آپؐ نے ام کلثوم کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ ظاہر بات ہے کہ ایک اصولی مسلک کی خواتین کو دشمن یا مخالف کے سپرد کرنے کا معاملہ مردوں سے بالکل مختلف نوعیت رکھتا ہے۔ اس انکار میں ایک ایسا اخلاقی وزن موجود تھا اور معاہدہ کے الفاظ بھی ایسے عمومی سے تھے کہ عورتوں کے مسئلہ میں تعبیری اختلاف کی گنجائش نکلتی تھی، اس لیے جب دونوں بھائی واپس پہنچے تو قریش نے اس صورت کو قبول کر لیا۔ حضورؐ نے سورۂ ممتحنہ کے احکام کے تحت اسی انکار کے ساتھ چونکہ چند اور فیصلے کیے تھے کہ ایک تو مسلمان اپنی ان سابق کافرہ بیویوں کو طلاق دے دیں جو مکہ میں تھیں اور دونوں طرف سے مہر ادا کیے جائیں، اس لیے بہ حیثیت مجموعی یہ معاملہ قریش کو بھی اچھا معلوم ہُوا۔

یہ تھا وہ تاریخی معاہدہ جو اپنے نتائج کے اعتبار سے بجائے خود فتح عظیم کی حیثیت رکھتا تھا اور جس تک قریش کو لانے اور اس سلسلے کے جملہ پر پیچ مراحل کو طے کرنے میں حضورؐ نے ایسی سیاسی حکمت اور قائدانہ بصیرت کا مظاہرہ کیا جس سے بعد والوں کو تا قیامت رہنمائی ملتی رہے گی۔ یہ مصالحت حضورؐ کی سیاست کاری کا ایک بے مثل شاہکار ہے۔

عمرۃ القضا معاہدہ میں طے تھا کہ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں اور اگلے سال آکر زیارت کریں چنانچہ دوسرے سال ۷ھ میں حضورؐ نے رفقاء سمیت مکہ کا رخ کیا۔ یہ سفر بھی اگر مرتبۂ اول میں دینی تھا تو مرتبۂ دوم میں سیاسی۔ اس سے گہرے اثرات فضا میں مترتب ہوئے اور اس کی وجہ سے اسلام کا نفوذ نہ صرف مکہ میں بڑھ گیا بلکہ سارے عرب میں بھی مسلمانوں کا حرم میں آزادانہ داخلہ نہایت اچھے ذہنی اثرات

© rasailojaraid.com

کا موجب ہوا۔

دو ہزار افراد، سو گھوڑوں اور قربانی کے ساٹھ (یا اسّی) اونٹوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اسلحہ کا ذخیرہ بند حالت میں ساتھ لیا گیا مگر آگے جا کر مقام یاجج میں رکھ دیا گیا۔ بروئے معاہدہ قریش کو تین دن کے لیے مسلمانوں کے لیے حرم بالکل کھول دینا پڑا۔ بعض کٹّر مخالفین تو شہر چھوڑ کے دور جبل قعیقعان وغیرہ کی طرف چلے گئے تاکہ اس منظر کو دیکھنے نہ پائیں۔ لیکن عام باشندے، عورتیں اور بچے دار الندوہ کے پاس صف باندھے کھڑے تھے اور اس انقلابی طاقت کا نظارہ کر رہے تھے جس نے مکہ ہی کی فضاؤں میں ابتدائی نشوونما پائی تھی۔

داخلہ اس شان سے ہوا کہ عبداللہ بن رواحہ حضورؐ کی سواری کی باگ تھامے ہوئے آگے آگے ایک رجزیہ گیت الاپ رہے تھے۔ چند بول یہ تھے:

باسم الذی لا دین الا دینہ	اس ہستی کا نام لیکر ہم داخل ہوتے ہیں جس کے دین کے علاوہ کوئی دین نہیں
باسم الذی محمد رسولہ	اس ہستی کا نام لیکر ہم داخل ہوتے ہیں، محمدؐ جس کے رسول ہیں۔
خلوا، بنی الکفار عن سبیلہ	اے کفار کی اولاد، اس کے راستے سے ہٹ جاؤ۔
قد نزّل الرحمٰن فی تنزیلہ	الرحمٰن نے اپنی نازل کردہ کتاب میں یہ تعلیم دی ہے:
بان خیر القتل فی سبیلہ	کہ بہترین جنگ وہ ہے جو خود اسی کی راہ میں لڑی جائے۔
یا رب انی مومن بقیلہ	اے میرے پروردگار! میں تیرے نبی کے قول پر ایمان رکھتا ہوں۔

گیت ہی گیت میں پوری دعوتِ حق بیان ہو رہی تھی جس کی گونج سے مکہ کی فضائیں برسوں سے خالی ہو چکی تھیں۔ اس میں جہاد تک کا رجز شامل تھا۔ اس میں رحمٰن کے اسی پیارے نام کی پکار ہو رہی تھی جس سے قریش کو چڑ تھی۔ اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان ہو رہا تھا۔ اسلام دشمن طاقت کو پرمعنی انداز سے کہا جا رہا تھا کہ اس رسولؐ کے راستے سے ہٹ جاؤ اور مزاحمت چھوڑ دو۔ آج کوئی نہ تھا جو مکہ میں رکاوٹ ڈال سکے۔ معاہدے نے ہاتھوں اور زبانوں کو باندھ رکھا تھا۔

حضورؐ نے داخلہ کے وقت جماعت کو حکم دیا کہ خوب مونڈھے کھول کر اور سینہ تان کر چلو اور پھیل پھیل کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طواف کرو تاکہ اس پروپگنڈہ کی تردید ہو جائے کہ مہاجرین کی حالت بھوک اور بخار نے پتلی کر رکھی ہے۔ اس وقت دشمنوں کو مرعوب کرنا ضروری تھا۔ حضورؐ نے کیا خوب فرمایا کہ "خدا کی رحمت ہو اس شخص پر جو آج کفار کے سامنے قوت کا اظہار کرے"۔ اسی مصلحت سے آپ استلام رکنِ یمانی سے استلامِ رکنِ اسود تک نرم چال رمشی، چلتے اور اس حصے میں دیکھنے والا مجمع اوجھل ہو جاتا، پھر بعد کے دَور میں ہلکی دوڑ رمل لگاتے اور یہی حصہ مجمع کے سامنے تھا۔ معلوم ہوا کہ مخالف حلقوں میں علمبردارانِ اسلام کی کمزوری (خواہ وہ جسمانی ہو) کے چرچوں کو روکنا اور ان پر قوت و شوکت کے مظاہرہ سے رعب ڈالنا اسلامی سیاست کی ایک اہم حکمت ہے۔ یہ اتنی اہم حکمت ہے کہ عین حرم میں اور عین دورانِ طواف میں بھی اس کو ملحوظ رکھا گیا۔ یہ مظاہرۂ قوت کبر و غرور کی تعریف میں نہیں آتا بلکہ یہ عین کارِ ثواب ہے۔ ایسے موقع پر اگر فروتنی اور انکسار دکھایا جائے تو وہ بالکل الٹا پڑ سے۔ ان چھوٹے چھوٹے امور سے شہادت ملتی ہے کہ حضورؐ وقت وقت کے سیاسی تقاضوں پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے اور ان کو پورا کرنے کا کتنا اہتمام کرتے تھے۔ آخر یہ سیاست ذاتی جاہ کے لیے نہ تھی، خدائی نظامِ عدل کی سربلندی کے لیے تھی، اس لیے سراسر دین تھی اور اس کا ہر اقدام ایک عبادت تھا۔

غور کیجیے کہ نظامِ حق کے داعیوں کی اس جماعت کو جب مکہ کا مجمع دیکھ رہا ہوگا تو مردوں اور عورتوں اور بچوں پر کیسے کیسے اثرات پڑ رہے ہونگے۔ خیال آتے ہونگے کہ یہ اسی دین کی فصل ہے جس نے مکہ سے آغاز کیا تھا۔ اور پھر غارِ حرا، خانۂ ارقم، شعبِ ابی طالب، دارالندوہ اور غارِ ثور کے تاریخی مقامات ان کے سامنے سر اٹھا اٹھا کر کہتے ہونگے کہ دیکھو نیکی کی یہ طاقت کتنی عظیم ہے اور تم اس کے مقابلے میں کتنے فروتر ہو کے رہ گئے ہو۔ مکہ کی گلیوں کے ذرے تڑپ اٹھے ہونگے اور زبانِ حال سے ان لوگوں سے کہہ رہے ہونگے کہ یہ وہ صبر کیش لوگ ہیں جن کو تم نے بغیر کسی جرم کے کئی سال تک دکھ دیئے تھے، دیکھو کہ آج وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ کتنے ہی کانٹوں نے سر اٹھا کر کہا ہوگا کہ تم نے ہماری نوکوں سے ان جسموں کو اذیت دی تھی۔ پھر کہیں سے حضرت ابوذرؓ کی کلمہ کی وہ پہلی پکار کعبہ سے گونجنے لگی ہوگی جس پر ہنگامہ مچ گیا تھا، کہیں سے حضرت بلالؓ کی احد احد کی صدائیں بلند ہونے لگی ہونگی جو تپتی ریت کے بستر پہ پڑ کر دل سے اٹھتی تھیں۔ دارالنعمۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھنے لگا ہوگا کہ تم لوگوں نے جس کے قتل کی سازشیں کی تھیں اس کا پیغام گوشے گوشے میں تبدیلی لا رہا ہے۔ تیرہ برس کی تاریخ ہر چہار جانب سے اُمڈ پڑی ہوگی اور پھر بدر اور اُحد میں کام آنے والوں کی یادیں خونیں پیرہن سجائے نمودار ہوئی ہونگی ۔۔۔ اور ان کی روحوں سے صدا اٹھی ہوگی کہ تم بھی جاگو، تم بھی بدلو، تم بھی آگے بڑھو اور اس سیلِ رواں میں شامل ہو جاؤ۔

ایک طرف اس جماعت کے طرزِ عبادت کا مظاہرہ ہوا ہوگا اور دوسری طرف یہ اخلاقی مثال قائم ہوئی ہوگی کہ اتنی بڑی تعداد شہر مکہ میں تین دن تک موجود رہی، لیکن باوجود سخت عناد کے کسی کے جان و مال کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ گھر جس طرح مقفل کر کے مشرکین باہر نکل گئے تھے اسی طرح صحیح سلامت رہے۔

اسلام کے حامی عناصر جو مکہ میں ایمان چھپائے بیٹھے تھے ان کی آنکھیں اس نظارے سے کیسی ٹھنڈی ہوئی ہونگی، ان کے جذبوں کو ایک نئی طاقت ملی ہوگی، ان کے اندر تازہ امیدیں ابھر آئی ہونگی۔ مخالفین اپنے آپ کو کتنا پستا ہوا محسوس کر رہے ہونگے۔ اور ان کی آنکھوں کے سامنے کتنا تاریک مستقبل ہوگا۔

تین دن تک شہر کی فضاؤں میں یہ گھٹا موتی برساتی رہی۔ چوتھے روز سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جبکہ آپؐ انصار کے درمیان بیٹھے بات چیت کر رہے تھے۔ سہیل نے کہا کہ تین دن پورے ہو چکے، اب میری زمین سے نکل جاؤ۔ سعد بن عبادہ اس طرزِ خطاب پر ضبط نہ کر سکے۔ انہوں نے کہا: "زمین نہ تیری ہے نہ تیرے باپ کی۔ ہم ہرگز نہ نکلیں گے۔" حضورؐ نے فوراً ہی فضا کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ذرا لطیف اندازِ گفتگو اختیار فرمایا۔ حضورؐ نے حضرت میمونہ سے اسی موقع پر نکاح کیا تھا، "دیکھو، ہم نے یہاں سے نکاح کیا ہے، کیا حرج ہے کہ ذرا کھانا دانا پک جائے، ہم بھی کھائیں اور آپ لوگ بھی شریک ہوں۔" اس فقرے میں کئی پہلو تھے، مگر ان کی کثافتِ مزاج میں فرق نہ آیا۔ کہا گیا کہ ہمیں کھانے دانے کی ضرورت نہیں، بس آپ چلے جائیے۔ وہ بچارے بھی کیا کرتے، دیکھ رہے تھے کہ ساری فضا متاثر ہو رہی ہے۔ ان کے اصرار کی وجہ سے حضورؐ نے جماعت کو کوچ کا حکم دیا۔ چلتے وقت حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی چھوٹی سی بچی "یا عم! یا عم!" پکارتی دوڑی دوڑی آئی اور آپ سے لپٹ گئی۔ کیا ہی رقت انگیز سماں ہوگا۔ حضورؐ نے اس بچی کو ساتھ لے لیا۔ بعد میں یہ بچی اپنی خالہ کے سپرد کی گئی جو زید بن حارثہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اہلیہ تھیں۔

اب یاد کیجیے اس واقعہ کو کہ حدیبیہ سے واپسی میں حضورؐ پر اعتراض ہُوا تھا کہ آپؐ نے تو فرمایا تھا کہ ہم حرم میں داخل ہونگے اور طواف کریں گے (سوال کا مدعا یہ تھا کہ ایسا ہُوا تو نہیں!) حضورؐ نے جواب دیا: "مَیں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال؟" ــــ اور اگر واقعی سنہ ۷ھ میں وہ بات پوری بھی ہوتی تو اس شان سے نہ ہوتی بلکہ خون خرابے کے ساتھ ہوتی۔ ایک سال کا فاصلہ تحریکوں کی تاریخ میں ایک لمحہ کی سی نوعیت رکھتا ہے۔ ذرا سے وقفے کے بعد بے خوفی کی حالت میں اور پوری آن بان سے حرم میں داخلہ اور عمرہ کا ہونا بے حد برکات رکھتا تھا۔

پھر جب اس واقعہ کا قبائلِ عرب میں چرچا ہُوا ہوگا تو رائے عام اس تبدیلیٔ احوال سے بہرحال متاثر ہوئی ہوگی۔ لوگ محسوس کرتے ہونگے کہ جس مکہ سے مسلمانوں کو نکالا گیا تھا اس میں وہ سینہ تانے اور مونڈھے کھولے داخل ہوئے، جو قریش مسلم جماعت کو مٹا دینے کے درپے تھے انہوں نے اسی سے مصالحت کر کے اپنے آپ کو بے بس کر لیا۔ اس سے یہ اندازے لازماً باندھے گئے ہونگے کہ مستقبل مدینہ کا ہے! ظاہر بات ہے کہ دلوں کے دروازے اسلام کے لیے اور زیادہ کھل گئے ہونگے۔

مختصر یہ کہ عمرۃ القضا بھی اسلام کے فروغ میں بہت ممد ہُوا۔

© rasailojaraid.com